

اردو اصنافِ نثر کا مختصر تعارف

نثر ایک ذریعہ ترسیل ہی نہیں بلکہ صنفی و ادبی حیثیت بھی رکھتی ہے۔ صنفی اعتبار سے نثر کے کچھ اصول و ضوابط بھی ہیں جن کے پیش نظر نثر نگار اپنے تجربات، مشاہدات اور افکار و خیالات کی ترسیل کرتا ہے۔ شاعری میں اختصار ہوتا ہے جبکہ نثر توضیحی اظہار کے لیے مشہور ہے۔ شاعری کے دوش بہ دوش نثر نے ہر خاص و عام کو متاثر کیا اور اہل علم و فن نے اپنے علمی و ادبی سرمائے کو نثری اسلوب میں پیش کیا ہے۔

نثر اصل میں ایک عربی لفظ ہے جس کے لغوی معنی بکھیرنے یا چھڑکنے کے ہوتے ہیں لیکن اصطلاح میں کلام غیر موزوں کو نثر کہتے ہیں۔ نثر میں 'نظم' کی طرح الفاظ مختصر نہیں بلکہ منتشر ہوتے ہیں۔ نثری تحریر میں پھیلاؤ، بکھراؤ اور تفصیل ہوتی ہے یعنی نثر میں الفاظ کو جملوں اور جملوں کو عبارتوں میں پروئے ہوئے موتیوں کی مانند سلسلے وار رقم کیا جاتا ہے۔ زبان و ادب میں افسانوی اور غیر افسانوی نثر مستعمل ہے۔ اس کی تعریف و تفصیل نیچے دی جا رہی ہے۔

(۱) افسانوی نثر:

افسانوی نثر میں رومانی فضا، ڈرامائی عنصر اور افسانوی روح حاوی ہوتی ہے جو نہ صرف قاری کے ذہن و فکر کو متاثر کرتی ہے بلکہ اس کے ذوق جمال و جذباتی کیفیتوں کو بھی مہمیز کرتی ہے۔ افسانوی نثر میں ناراست زبان کا استعمال کیا جاتا ہے۔ ناراست زبان سے مراد یہاں تمثیلی انداز، علامتی اسلوب اور استعاراتی زبان ہے جو افسانوی نثر کو دلکشی و خوبصورتی عطا کرتی ہے۔ بسا اوقات کسی واقعہ یا شے کا راست بیان مشکل و ناگوار ثابت ہو سکتا ہے لیکن جب یہی بیان کہانی کے انداز، تخلیقی فضا اور فنکارانہ اسلوب و تکنیک میں سامنے آتا ہے تو ناگوار نہیں بلکہ خوشگوار لگتا ہے۔ افسانوی نثر میں اسلوب کی رنگینی و کشش ہوتی ہے۔ یہ رنگینی و چاشنی کہانی میں زور، حسن اور لطافت پیدا کرتی ہے۔ قاری اس رنگینی عبارت میں گم ہوتا چلا جاتا ہے۔ وہ اس رنگین بیانی سے لطف اندوز ہوتا ہے اور ساتھ ہی اس کا ذہن و دماغ کچھ سوچنے پر آمادہ بھی ہوتا ہے۔ افسانوی نثر کا اطلاق جن اصناف پر ہوتا ہے وہ اصناف درجہ ذیل ہیں۔

داستان: داستان خیالی واقعات پر مبنی رومانی کہانی کو کہتے ہیں۔ داستانوں میں جن و پری، طلسم و سحر کے کارنامے اور عجیب و غریب واقعات ہوتے ہیں جو پڑھنے اور سننے والے کے لیے فرحت و مسرت کا سامان فراہم کرتے ہیں۔ داستانیں ماضی کی روایت رہی ہیں۔ ان کے ذریعے ہونے والے لسانی، ادبی اور اسلوبیاتی تجربوں نے زبان و ادب کو نوع بہ نوع معیار و انداز سے آشنا کیا ہے۔ داستان میں واقعات کا الجھاؤ و پیچیدگی، بیان کی طوالت، پلاٹ کی بے ترتیبی اور کرداروں کی

کثرت ہوتی ہے جو اس کے حسن کو مجروح نہیں بلکہ دو بالا کرتی ہے۔ قاری نے الفاظ اور ان کے بر محل استعمال سے واقف ہوتا ہے۔ ان الفاظ و محاوروں میں مافوق الفطرت عناصر کی کارفرمائی، ماورائی طاقتوں کے کارنامے اور حسن و عشق کی کہانیاں بڑی خوبی سے پیش ہوتی ہیں۔ مختلف مناظر قصے میں ایک خاص کیفیت پیدا کرتے ہیں۔ تجسس و جستجو داستان کا اہم وصف ہے۔ داستان میں واقعات در واقعات کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ مخاطب ان پیچیدہ واقعات، رنگا رنگ مناظر اور حیرت انگیز کرداروں سے پوری توجہ کے ساتھ وابستہ رہتا ہے۔ منظم ترتیب اور پلاٹ نہ ہونے کے باوجود قاری کی دلچسپی برقرار رہتی ہے۔ سامعین و قارئین قصے یا داستان کے انجام تک پہنچنے کے لیے بے قرار رہتے ہیں۔ موجودہ دور میں یہ داستانیں ایک تاریخی و ستاویز کی حیثیت رکھتی ہیں تاہم ان کی ادبی، تہذیبی اور لسانی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔ داستان ناول، افسانہ اور ڈرامے سے مختلف ہے۔ تخیل کی بلندی داستان میں معنوی حسن اور فنی لطافت پیدا کرتی ہے۔ داستان کی فنی حیثیت کے متعلق کلم الدین احمد لکھتے ہیں:

”داستان کہانی کی طویل، پیچیدہ، بھاری بھر کم صورت ہے۔ لیکن اپنی طوالت پیچیدگی، جو حاصل پن کے باوجود بھی کہانی سے بنیادی طور پر مختلف نہیں..... یہ بھی دل بہلانے کی ایک صورت ہے۔ داستان گوئی ایک دلچسپ مشغلہ ہونے کے ساتھ فنی حیثیت بھی رکھتی ہے اور ہر کس و نا کس داستان گو نہیں ہو سکتا تھا۔“ (۴)

داستان امیر حمزہ، نواب مرزا امان علی خاں لکھنوی۔ باغ و بہار، میرامن دہلوی۔ آرائش محفل، حیدر بخش حیدری۔ فسانہ عجائب، رجب علی بیگ سرور وغیرہ اردو کی مشہور داستانیں ہیں۔

ناول: ناول انگریزی لفظ Novel سے ماخوذ ہے جس کے معنی افو کھا اور عجیب و غریب کے ہوتے ہیں۔ ناول دراصل زندگی کی تصویر کشی کا فن ہے۔ اس میں کسی فکر و احساس اور زندگی کی حقیقتوں کو دلکش انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔ رومانی عنصر، ناول میں جذب کشش کا احساس دلاتا ہے اور مناسب تراکیب و الفاظ انوکھے پن کی کیفیت پیدا کرتے ہیں۔ ناول کے موضوعات کا دائرہ وسیع ہے۔ اس میں فرد و سماج کی کشمکش اور جذبات و احساسات کی بھرپور عکاسی کی جاتی ہے۔ زندگی کے طویل واقعات ناول میں بڑی آسانی سے سما جاتے ہیں۔ واقعات کے تفصیلی بیان میں عہد و ماحول اور تہذیب و معاشرت کی جھلک بھی ہوتی ہے۔ ناول میں کردار کے ہر پہلو پر بالتفصیل روشنی ڈالی جاتی ہے جہاں کہانی کے واقعات اور کرداروں کی تفصیلات خوبصورت انداز میں فنی عناصر میں ڈھلتی ہیں۔ یہ عناصر ناول میں لطافت کی فضا قائم کرتے ہیں اور قاری کی توجہ کو گرفت میں لیے رہتے ہیں۔ پڑھنے والا ناول کی ہر عبارت و سطر میں، زندگی کے تضادات اور کشمکش حیات کو بہر حال محسوس کرتا ہے۔

پلاٹ، کردار نگاری، منظر نگاری، جزئیات نگاری اور مکالمہ نگاری وغیرہ ناول کے بنیادی عناصر ہیں۔ گویا یہ ایسے عناصر ہیں جن

کے ذریعے ایک عمدہ ناول کی تشکیل ہوتی ہے۔ بقول آل احمد سرور:

”یہ زندگی کی تصویر بھی ہے اور تفسیر بھی، خواب جوانی کی تعبیر ہے اور سب سے بڑھ کر تنقید بھی۔ یہ ڈرامہ یا مضمون سے زیادہ مکمل ہے۔ مضمون نگار زندگی کے متعلق اظہار خیال کرتا ہے۔ ڈرامہ زندگی کو شعلے کی لپک اور لہو کی دھار بنا کر پیش کرتا ہے مگر ناولسٹ زندگی کے چہرے سے نقاب اٹھاتا ہے۔ ناول میں زندگی کے مختلف تجربات اور مناظر ہوتے ہیں۔ واقعات کا ایک سلسلہ ہوتا ہے، پلاٹ، کردار، مکالمہ نگاری، منظر نگاری اور فلسفہ زندگی کی جھلک ہوتی ہے۔“ (۱)

امراؤ جان، مرزا ہادی رسوا، گودان، پریم چند۔ آگ کا دریا، قرۃ العین حیدر۔ مکان، پیغام آفاقی۔ بیان، مشرف عالم ذوقی وغیرہ اردو کے مشہور ناول ہیں۔

افسانہ: مختصر کہانی کو افسانہ کہتے ہیں۔ ناول کی طرح افسانے کے موضوعات کا دائرہ بھی وسیع ہے۔ افسانے میں سماجی مسائل اور افراد کی ذہنی و جذباتی الجھنوں کی ترجمانی ہوتی ہے۔ انسانی زندگی کے پیچ و خم، نا آسودگی، طبقاتی کشمکش، عدم مساوات، جنسی تفریق اور بے انصافیاں وغیرہ افسانے کے موضوعات ہیں۔ افسانہ، ناول سے قدرے مختلف ہے۔ افسانے میں واقعات کو تفصیل کے بجائے اختصار سے پیش کیا جاتا ہے۔ ناول میں جس طرح ہر پہلو پر بالتفصیل روشنی ڈالی جاتی ہے اس طرح افسانے میں کہانی کا ہر نکتہ تفصیل سے پیش کرنا مشکل ہے۔ اس میں زندگی کے ایک پہلو، ایک واقعے یا کسی نفسیاتی حقیقت کو پیش کیا جاتا ہے۔ اس کے باوجود افسانے اور ناول کے تشکیلی عناصر میں قدرے مماثلت پائی جاتی ہے۔ پلاٹ، منظر نگاری، مکالمہ نگاری اور کردار نگاری وغیرہ عناصر افسانے کے اجزائے ترکیبی میں سے ہیں۔ پلاٹ میں ربط و تسلسل، خوبصورت زبان و اسلوب اور کرداروں کے لحاظ سے مکالموں کا استعمال، افسانے میں تاثیر و تاثر کا احساس دلاتا ہے۔ تخیل و تجربے کے اس حسین اظہار میں زندگی مختلف رنگوں میں ظاہر ہوتی ہے۔ بقول احتشام حسین:

”اردو افسانے کی ہی نہیں، دنیا کی افسانہ نویسی کی تاریخ میں یہ خصوصیت آپ کو ملے گی کہ ہر دور کی جواہر صدائیں ہیں وہ اس دور کے افسانہ نگاروں کے یہاں ضرور رونمایاں ہوتی ہیں، چاہے وہ اچھے فنی معیاروں کے ساتھ ہوں یا بھدے پرو پگنڈائی انداز میں لیکن اپنے عہد کی وہ صدائیں، وہ حقیقتیں، وہ بے چینیاں اور بے قراریاں جن کی طرف ہمارا ذہن مستقل منتقل ہوتا رہتا ہے، جو سوالات پیدا ہوتے ہیں ہمارا ذہن جن کے جواب چاہتا ہے۔ ان کی طرف لازمی طور پر ہر افسانہ نگار کا ذہن منتقل ہوتا ہے۔ اب جس حد تک

اس کافی شعور بالیدہ اور پختہ ہوتا ہے اور زندگی جس حد تک اس کی گرفت میں آتی ہے اس حد تک وہ زندگی کو خوبصورتی سے پیش کرتا ہے۔“ (۳)

اردو میں افسانہ نگاروں کی ایک لمبی فہرست ہے۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ، سعادت حسن منٹو، کفن، عید گاہ، ہریم چند وغیرہ مشہور افسانے ہیں۔ ان کے علاوہ مشہور فن کاروں کے کچھ افسانے انتخابات کی شکل میں شائع ہو چکے ہیں۔ جیسے آزادی کے بعد اردو افسانہ (ایک انتخاب)، کلیات منٹو (منٹو کے افسانے) وغیرہ۔

ڈراما: ڈرامے کے معنی کسی چیز کو کر کے دکھانا یا عملاً پیش کرنے کے ہیں۔ اس میں واقعات زندگی کو کرداروں کی مدد سے عملاً پیش کیا جاتا ہے۔ ڈرامے میں جذبات کے اتار چڑھاؤ اور واقعات زندگی کو صورت حال کے مطابق، کرداروں کے توسط سے پیش کرنے کی خاصی گنجائش ہوتی ہے۔ کرداروں کی حرکات و سکنات، مکالموں کی ادائیگی، لباس اور روشنی وغیرہ ڈرامے کو دلچسپ و موثر بناتی ہیں۔ سامعین اور ناظرین ڈرامائی پیش کش میں دلچسپی لیتے ہیں اور راحت و سکون کا احساس بھی کرتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ واقعات کو عملاً ہوتے دیکھ کر افراد کے تزکیہ نفس کا عمل بھی انجام پاتا ہے۔ ڈرامے میں بھی زندگی کے واقعات و مسائل کی تصویر کشی کی جاتی ہے۔ تاریخی واقعات، سماجی اقدار، تہذیبی روایات، جذبات و احساسات کی ترجمانی اور فرد و سماج کی کشمکش وغیرہ ڈرامے کے موضوعات ہیں۔ عام طور پر ڈراما دو قسم پر مبنی ہوتا ہے (۱) کامیڈی (۲) ٹریجڈی۔ ڈراما ریڈیو، ٹی وی اور اسٹیج کے لیے لکھا جاسکتا ہے۔ پلاٹ، کردار نگاری، مکالمہ نگاری، منظر نگاری، آرائش، اسٹیج اور موسیقی وغیرہ ڈرامے کے بنیادی عناصر ہیں۔ ان اجزائے ترکیبی کے ذریعے ڈراما میں زندگی کے نشیب و فراز اور تضادات کو پیش کیا جاتا ہے۔ بقول عتیق اللہ:

”ڈرامے میں کسی ایک یا ایک سے زائد سماجی مسائل کو بنیاد بنایا جاتا ہے اور کبھی کبھی ان کا حل بھی پیش کیا جاتا ہے۔ ڈراما نگاران کشاکشوں کو حقیقت آگین نثر میں نمایاں کرتا ہے جو انسانوں کے مابین جاری ہیں۔ وہ ان تضادات کو نمایاں کر کے دکھاتا ہے جن کی جڑیں انسانی معاشرے کے تضادات میں پیوست ہیں۔“ (۲)

اردو میں ناول و افسانے کے ساتھ کامیاب ڈرامے بھی لکھے گئے ہیں۔ سلور کنگ، آغا حشر کاشمیری۔ انارکلی، امتیاز علی تاج، آگرہ بازار، حبیب تنویر۔ ضحاک، محمد حسن وغیرہ مشہور ڈرامے ہیں۔ مختصر یہ کہ افسانوی نثر خواہ داستان ہو یا افسانہ، ناول ہو یا ڈراما ہر ایک کی اپنی انفرادی حیثیت ہے۔ ان اصناف میں زیادہ تر بیانیہ انداز ہوتا ہے جس میں کہانی کا عنصر غالب ہوتا ہے۔ احساس کی شدت، جذبے کی حرارت اور تخیل کی بلندی ان اصناف نثر میں فنی حسن پیدا کرتی ہے۔ حالات کی تلخی، زندگی کی ناکامی و تشنہ لبی، فرد و سماج کی کشمکش اور افراد کی زیادتیاں افسانوی نثر میں

بڑی خوبصورتی سے ڈھل جاتی ہیں۔ گویا واقعات زندگی کہانی میں اس سلیقے سے پیش ہوتے ہیں کہ قاری کو کسی تشنگی کا احساس نہیں ہوتا۔ فکر و خیال کی عکاسی اور جذبات کی ترجمانی نئی تکنیک و اسالیب کے ذریعے کی جاتی ہے جس سے زبان و ادب میں اضافہ ہوتا ہے۔ لہذا ان کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔

(۲) غیر افسانوی نثر:

’نثر‘ کا اطلاق کسی بھی تحریر پر کیا جاسکتا ہے۔ خواہ یہ تحریر خط کی شکل میں ہو یا کسی دستاویز کی شکل میں لیکن مطالعہ ادب میں افسانوی نثر اور غیر افسانوی نثر ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ غیر افسانوی نثر میں حقیقی، مادی اور فلسفیانہ مباحث پیش کیے جاتے ہیں۔ مسائل و حقائق کے ساتھ سماجی و سیاسی امور، سائنسی علوم اور اقتصادی موضوعات بڑی خوبی سے پیش ہوتے ہیں۔ غیر افسانوی نثر میں ادبی فکر بھی کارفرما ہوتی ہے جو اس میں سلاست و دلکشی پیدا کرتی ہے۔

غیر افسانوی نثر میں راست زبان کا استعمال کیا جاتا ہے۔ راست زبان سے مراد یہاں فکر و خیال کا براہ راست اظہار ہے جہاں نثر نگار استعاراتی و علامتی اسلوب کے بجائے منطقی اور توضیحی انداز اختیار کرتا ہے۔ منطقی اظہار میں موجود ادبی عناصر صرف ذہن و دماغ پر اثر انداز ہی نہیں ہوتے بلکہ علم و معلومات میں اضافے کا باعث بھی ہوتے ہیں۔ دلائل و حوالے عبارت کے ابہام و الجھاؤ اور شک و شبہات کو دور کرتے ہیں۔ خیال کی وضاحت اسے جامع اور پر معنی بناتی ہے۔ یہاں رنگینی بیان کے بجائے تجزیہ سے کام لیا جاتا ہے۔ فلسفہ، ریاضی، منطق، مذہبی علوم اور جغرافیائی مطالعے کی باریکیاں بڑی احتیاط کے ساتھ تحقیقی و تشریحی انداز میں پیش کی جاتی ہیں۔ غیر افسانوی نثر کا دائرہ نہایت وسیع ہے۔ موضوع کی مناسبت اور انداز و ہیئت کے اعتبار سے یہ منفرد نوعیت کی حامل ہے جس کے کچھ خاص معیار و پیمانے ہیں۔ ان مختلف پیمانوں کے وسیلے سے نثر نگار اپنے تجربات و مشاہدات کی پیش کش کرتا ہے۔ مناسب استعارے، موزوں تشبیہات اور الفاظ و محاورات اسے ادبی حسن سے آراستہ کرتے ہیں۔ غیر افسانوی نثر کی مختلف قسمیں ہیں۔ ان کا مختصر تعارف مندرجہ ذیل ہے۔

خاکہ: کسی چیز یا شے کا سرسری تعارف خاکہ کہلاتا ہے۔ خاکہ میں کسی فرد یا شخص کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے۔ خاکہ نگار اپنے مطالعے اور مشاہدہ کی روشنی میں شخصیت کے کسی ایک پہلو یعنی اس کے کردار یا اوصاف و شمائل وغیرہ پر اس انداز سے اظہار خیال کرتا ہے کہ شخصیت کی شبیہ قاری کے سامنے آ جاتی ہے۔ اس طرح قاری، متعلقہ شخص کے افعال و اعمال کے بارے میں صحیح اندازہ لگا لیتا ہے۔ خاکہ میں تفصیل کے بجائے اختصار سے کام لیا جاتا ہے۔ انگریزی میں اسکیچ یا پٹرن پوٹریٹ کے الفاظ خاکے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ اردو میں مرقع نگاری، قلمی تصویر اور قلمی چہرہ وغیرہ الفاظ بھی مستعمل ہیں۔ خاکہ نگاری سے متعلق فہمیدہ شیخ یوں لکھتی ہیں:

”خاکہ ایک ایسی صنف ادب ہے جس میں کسی ایک شخص کے خدوخال پیش کیے جاتے ہیں یا کسی ایسی شخصیت کے نقوش ابھارے جاتے ہیں جس سے خاکہ نگار خلوت و جلوت میں اس کی عظمتوں اور لغزشوں دونوں سے واقف ہو اور ساتھ میں یہ کہ تمام تاثرات کو ایسے دلکش پیرائے میں پیش کرے کہ پڑھنے والا بھی اس شخصیت کی عظمت سے واقف ہو کر اسے ایک کردار کے طور پر قبول کر لے جو تمام انسانوں سے ذرا مختلف ہو جن سے ہم اپنی زندگیوں میں روزمرہ دو چار ہوتے ہیں۔“ (۵)

اردو نثر نگاروں نے بہترین خاکے لکھے ہیں۔ یہ خاکے انتخابات کی شکل میں شائع ہو چکے ہیں۔ جیسے آزادی کے بعد دہلی میں اردو خاکہ، (ایک انتخاب) مظفر حنفی۔ چند ادبی شخصیتیں، شاہد احمد دہلوی۔ دلی کی چند عجیب ہستیاں، اشرف صبوحی، دہلی کی یادگار ہستیاں، امداد صابری۔ اردو کے بہترین شخصی خاکے، مبین مرزا وغیرہ۔

سوانح: سوانح میں کسی شخص کے (پیدائش سے موت تک) جملہ احوال و واقعات کو منظم و سلسلہ وار بالتفصیل پیش کیا جاتا ہے۔ سوانح کے مطالعہ سے نہ صرف کسی شخصیت کے حالات زندگی، تعلیم و تربیت، عادت و اطوار اور نفسانی رویوں کا پتہ چلتا ہے بلکہ اس عہد کے تاریخی، تہذیبی، سیاسی اور ادبی حالات و رجحانات سے بھی واقفیت ہوتی ہے۔ سوانح کے ذریعے ذہن و فکر کو روشنی ملتی ہے۔ سوانح کسی بھی علمی، ادبی، سیاسی یا معروف شخصیت کی زندگی سے متعلق لکھی جاسکتی ہے۔ واقعات کی صداقت، پیش کش میں تنظیم و ترتیب اور مناسب زبان و اسلوب سوانح میں خوبصورتی اور معنویت پیدا کرتا ہے۔ سوانح کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے ڈاکٹر سید شاہ علی لکھتے ہیں:

”سوانح عمری تاریخ کی وہ شکل ہے جو انسانی نسلوں اور گروہوں سے نہیں بلکہ افراد سے متعلق ہے یا یہ کہ سوانح عمری ایک انسان کی پیدائش سے موت تک کے افکار و اعمال کا بیان ہے۔ یعنی حقائق کے ساتھ کردار اور ذہن کی نشوونما کا مرقع ہے، انسان کی شخصیت کی تصویر ہے اس کے خارجی رد عمل اور داخلی احساسات کی کہانی ہے۔“ (۶)

اردو میں مختلف اہل علم و دانش کی عمدہ سوانح لکھی گئی ہیں۔ مثلاً یادگار غالب، الطاف حسین حالی، حیات جاوید، الطاف حسین حالی۔ غالب کی آپ بیتی، نثار احمد فاروقی وغیرہ۔

خودنوشت: خودنوشت بھی کسی شخص کی داستانِ حیات ہوتی ہے لیکن یہ داستان کسی دوسرے کے ذریعے نہیں بلکہ مصنف کے ذریعے بذاتِ خود رقم کی جاتی ہے۔ اسے خودنوشت سوانح حیات بھی کہتے ہیں۔ خودنوشت لکھنے والا اپنے حالاتِ زندگی اور

تجربات و مشاہدات کو لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے یعنی وہ خود ہی موضوع، خود ہی ہیر و اور خود ہی مصنف بھی ہوتا ہے۔ سوانح اور خودنوشت کے مابین یہی فرق ہے کہ سوانح کسی دوسرے کے ذریعے لکھی جاتی ہے اور خودنوشت مصنف خود لکھتا ہے۔ اسی وجہ سے خودنوشت کو آپ بیتی بھی کہا جاتا ہے جس میں روداد زندگی کو اس انداز سے پیش کیا جاتا ہے کہ آپ بیتی، جگ بیتی بن جاتی ہے۔ مصنف اپنی شخصیت کی تہوں کو اس طرح کھولتا ہے کہ قاری نہ صرف اس کے افکار و اعمال سے بلکہ زندگی کی حقیقتوں سے بھی واقف ہو جاتا ہے۔ خودنوشت جہاں داستانِ حیات ہوتی ہے تو وہیں انسانی نفسیات کی ترجمان اور شخصیت کا حقیقی عکس بھی ہوتی ہے۔ سماجی و معاشرتی رویے، سیاسی افکار اور علمی و ادبی رجحانات اسے مواد عطا کرتے ہیں۔ بقول وہاب الدین علوی:

”خودنوشت انسان کی زندگی کے واقعات، مشاہدات، نظریات اور اس کے محسوسات کی

داستان ہوتی ہے۔“ (۷)

بعض ادبا و نثر نگاروں نے اپنی خودنوشت لکھنے کی کوشش کی ہے۔ جیسے سلسلہ روز شب، صالحہ عابد حسین، یادوں کا جشن، کنور مہندر سنگھ بیدی سحر۔ یہ اور بستی نہیں یہ دلتی ہے، رفعت سروش۔ آزادی کی چھاؤں میں، بیگم انیس قدوائی۔ مجھے کہنا ہے کچھ اپنی زباں میں، خواجہ غلام السیدین وغیرہ۔

سفر نامہ: سفر نامے میں چشم دید واقعات اور سیر و سیاحت کی داستان قلم بند کی جاتی ہے جس کے ذریعے کسی ملک و قوم کی خوشحالی، ترقیات، روایات اور جغرافیائی حدود کا علم ہوتا ہے۔ سفر نامہ لکھنے والا واقعات کا عینی شاہد ہوتا ہے اور دوسروں کے سہارے کے بغیر اپنی داستان سفر رقم کرتا ہے۔ سفر کسی بھی ضرورت یعنی تعلیمی، سیاسی، ادبی، مذہبی مقامات کی زیارت یا عجائباتِ دنیا کی سیر و سیاحت کی غرض سے کیا جاسکتا ہے۔ بہت سے اہل علم و فن نے مختلف اغراض و مقاصد کے لیے، ملک و بیرون ملک کی سیاحت کی ہے اور اپنی روداد سفر کو قلم بند بھی کیا ہے۔ اس روداد سفر میں تہذیب و ثقافت، علم و ادب اور مذہبی و قومی روایات کی بہترین عکاسی ملتی ہے۔ ان سفر ناموں کی ادبی، علمی اور تاریخی اہمیت مسلم ہے۔ سفر نامے کے متعلق وہاب الدین علوی لکھتے ہیں:

”سفر نامے میں دنیا کے ایک یا زیادہ خطوں کے جغرافیائی ماحول، تہذیب اور سماجی

حالات اور وہاں کے انسانوں کا حال احوال ہوتا ہے۔“ (۸)

اردو میں بہت سے سفر نامے لکھے گئے ہیں۔ مثلاً پاکستان سے دیارِ حرم تک، نسیم حجازی۔ چل چنبیلی باغ میں، مظفر حنفی۔ سفر آشنا، گوپی چند نارنگ۔ سفر نامہ: غیر ملکی اسفار، مولانا وحید الدین خاں۔ ازبیکستان: انقلاب سے انقلاب تک، قمر رئیس۔ یادوں کے چاند ستارے، رفعت سروش۔ راہ نور و شوق، ڈاکٹر عابد حسین وغیرہ۔

خطوط: خطوط خیالات و محسوسات کو دوسروں تک پہنچانے کا وسیلہ ہی نہیں بلکہ زندگی کا آئینہ بھی ہیں۔ ہجر میں وصل کی لذت اور دوریوں میں قربتوں کا احساس صرف خطوط سے ہی ممکن ہے۔ بسا اوقات تحریر کا یہ غائبانہ اظہار براہ راست بات چیت اور بالمشافہ گفتگو سے بھی زیادہ دلچسپ و موثر ہوتا ہے۔ مکتوب نگار کی شخصیت، عمل و رد عمل، نفسیاتی اور باطنی کیفیات کا مطالعہ خطوط کی مدد سے بخوبی کیا جاسکتا ہے۔ خط کو نصف ملاقات کہا جاتا ہے جس میں فاصلوں پر بیٹھا انسان کسی سے محو گفتگو ہوتا ہے۔ جملوں کا اختصار اور روزمرہ الفاظ و محاورات کا استعمال خطوط میں دلکشی پیدا کرتا ہے۔

خطوط میں جذبے کی حرارت، احساس کی شدت اور مقصد کے برملا و بے ساختہ اظہار سے تحریر میں بے تکلفی، انداز بیان میں سادگی آتی ہے۔ سادگی ہی نہیں بلکہ القاب و آداب میں کشش اور مراسلے میں مکالمے کا احساس بھی ہوتا ہے۔ ان مکالموں میں مسائل حیات، سیاست و معاشرت اور تاریخی حقائق کی جھلکیاں بھی صاف نظر آتی ہیں۔

خطوط ذاتی، ادبی، سیاسی، تعلیمی اور کاروباری امور سے متعلق ہو سکتے ہیں۔ موضوع کے لحاظ سے انداز و اسلوب بھی قدرے مختلف ہوتا ہے۔ اگر چھوٹوں کو خط لکھے جاتے ہیں تو ان خطوط میں شفقت، نصیحت و تربیت کا انداز ہوتا ہے جبکہ مکتوب نگار یہی خط اپنے کسی بزرگ یا بڑے کو لکھتا ہے تو اس خط میں عقیدت مندی کا اظہار ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اگر کوئی خط کسی ہم عمر یا دوست کو لکھا جاتا ہے تو انداز و بیان میں شوخی، ظرافت و بے تکلفی ہوتی ہے۔ کاروباری خطوط میں مکتوب الیہ کے منصب و عہدے کو سامنے رکھتے ہوئے اظہار مقصد پر توجہ مرکوز ہوتی ہے۔ وہاج الدین علوی خطوط کے متعلق کچھ اس طرح رقم طراز ہیں:

”مکاتیب دو افراد کے مابین ذاتی معاملات اور مسائل پر مشتمل ہوتے ہیں۔ اس میں

واقعات اور افکار عام طور پر غیر مربوط اور منتشر ہوتے ہیں اور شعوری اطلاعات کے علاوہ

غیر شعوری اظہار بھی پایا جاتا ہے جس سے مکاتیب، مکتوب نگار کی شخصیت، سیرت اور

مزاج کا آئینہ خانہ بن جاتے ہیں۔“ (۹)

اردو میں متعدد دانشوروں، علما اور ادبا نے خطوط لکھے ہیں جن کی تاریخی، تہذیبی، سیاسی اور ادبی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔ جیسے خطوط غالب، (مرتبہ) خلیق انجم۔ پریم چند کے خطوط، (مرتبہ) مدن گوپال۔ خطوط شبلی، علامہ شبلی۔ غبار خاطر، مولانا ابوالکلام آزاد۔ سخن دل نواز (خواجہ غلام السیدین کے مکاتیب کا مجموعہ) مرتبہ صغرا مہدی۔ بزم یاراں (مشاہیر کے خطوط خواجہ غلام السیدین کے نام) مرتبہ صغرا مہدی۔ وغیرہ

رپورتاژ: رپورتاژ میں عام طور پر چشم دید واقعات یعنی کسی جشن، میننگ یا جلوس کی روداد کو رپورتنگ کے انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔ رپورتاژ کے ذریعے قاری کو نہ صرف معلومات حاصل ہوتی ہے بلکہ تحریر میں ادبی حسن کا احساس بھی ہوتا ہے۔ لکھنے

والا اصل واقعے کے ساتھ ذیلی امور و نکات پر روشنی ڈالتا ہے۔ زبان کی موزونیت اور بیان کی خوبصورتی رپورتاژ کو دلچسپ بناتی ہے۔

اردو میں کچھ رپورتاژ بھی لکھے گئے ہیں۔ کوہ دماوند، قرۃ العین حیدر۔ اردو کے منتخب رپورتاژ، (انتخاب) طلعت گل وغیرہ اردو رپورتاژ نگاری کا اچھا نمونہ ہیں۔

روزنامہ: روزنامے میں شب و روز کے واقعات یعنی صبح سے شام تک کے معمولات اور کارکردگیوں کو روزانہ لکھا جاتا ہے۔ ان تمام واقعات کا تعلق مصنف کی داخلی اور خارجی زندگی سے ہوتا ہے۔ زمانے کا ماحول، مروجہ روایات و نظریات کا عکس بھی روزنامے میں جگہ جگہ ملتا ہے۔ گویا روزنامہ ایک ایسی دستاویز ہے جو کسی شخص کی مصروفیات زندگی کے ساتھ ساتھ تاریخی سچائیوں اور سیاست و معاشرت کے متعلق بھی معلومات فراہم کرتی ہے۔

روزنامہ کسی بھی شخص کے ذریعے لکھا جاسکتا ہے۔ لکھنے والے کے سامنے کسی طرح کی کوئی پابندی بھی نہیں ہوتی۔ موضوع سے لے کر انداز بیان تک لکھنے والا آزاد ہوتا ہے جہاں وہ اپنی ذات، کسی ادبی یا سیاسی مسئلے کو روزنامے میں پیش کر سکتا ہے۔ گویا ڈائری کسی بھی موضوع یعنی نجی، ادبی، سیاسی اور سماجی صورت حال کے متعلق لکھی جاسکتی ہے۔ روزنامے کے حوالے سے صحیحہ انور اس طرح لکھتی ہیں:

”روزنامے کے لئے کسی ترتیب کی ضرورت نہیں ہوتی یہ انتشار کا مظہر ہوتا ہے۔ اس کا

مقصد یہ ہوتا ہے کہ پیش آمدہ واقعات فوراً اور ممکن ہو تو اسی دن قلم بند کر لیے جائیں۔ پہلا

واقعہ آخر میں اور آخری واقعہ شروع میں بھی آسکتا ہے۔“ (۱۰)

روزنامہ نگاری کی جانب بعض نثر نگاروں نے اپنی توجہ مبذول کی ہے۔ حالانکہ یہ زیادہ تعداد میں فراہم نہیں تاہم کچھ روزنامے (ڈائریاں) مختلف موضوعات پر موجود ہیں۔ جیسے ایک ادبی ڈائری، اختر انصاری۔ چھٹا دریا، فکر تونسوی وغیرہ۔

یادداشت: یادداشت ماضی سے وابستہ ہوتی ہے۔ یہ یادوں کے سہارے قلم بند کی جاتی ہے۔ جب ماضی کے خوشگوار لمحات، یادگار واقعات اور حیرت انگیز حادثات ذہن پر گردش کرتے ہیں تو بے ساختہ تحریری شکل میں ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ ماضی کی بازگشت اور گزرے ہوئے کل کو دہرانا یادداشت کا محرک ہے جس میں قوت حافظہ کا بڑا عمل دخل ہوتا ہے۔ بعض اہل علم نے یادداشت کو ڈائری یا روزنامے کے ذیل میں بیان کیا ہے لیکن یادداشت کو ڈائری کے ذیل میں رکھنا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ یہ الگ بات ہے کہ سوانحی اظہار کی وجہ سے اس میں اور روزنامے میں کچھ مماثلت ہو سکتی ہے۔ یعنی اس کا لکھنے والا کوئی غیر نہیں بلکہ مصنف خود ہوتا ہے۔ ان کے مابین جو واضح فرق ہے وہ یہ ہے کہ روزنامے یا ڈائری روزمرہ کے واقعات کی

دستاویز ہوتی ہے جنہیں روزانہ قلم بند کیا جاتا ہے جبکہ یادداشت وقت گزرنے کے بعد لکھی جاتی ہے۔ مختصر یہ کہ کسی شخص کا ماضی کے واقعات کو تجربے، مشاہدے اور قوت حافظہ کی بنیاد پر قلم بند کرنا ہی یادداشت ہے۔ اس میں مصنف اپنی زندگی کے عظیم کارنامے یا مخصوص تہذیبی، سماجی، سیاسی، علمی اور ادبی ماحول کو پیش کرتا ہے۔ جیسا کہ ورڈ بک ڈکشنری میں یادداشت کے متعلق بیان کیا گیا ہے۔

"A record of facts and events written from personal knowledge or special information or a record of a person's own life and experiences." (11)

ڈائری، سوانح اور خودنوشت کے ساتھ یادداشتیں (یادیں) بھی بعض افراد نے قلم بند کی ہیں۔ اس سلسلے میں یادوں کے سائے، عتیق صدیقی۔ شورشِ دوراں، حمیدہ سالم۔ روشنائی، سجاد ظہیر وغیرہ اہم ہیں۔

انشائیہ: یہ انگریزی لفظ Essay سے ماخوذ ہے جس کے معنی مضمون کے ہوتے ہیں لیکن کس پیش کش (مضمون) پر انشائیے کا اطلاق کیا جائے یہ ایک اہم مسئلہ ہے۔ جب کسی موضوع سے متعلق کسی پہلو کو اجاگر کیا جاتا ہے تو پیش کش کے اس انداز کو مضمون کہتے ہیں۔ مضمون میں متانت، معقولیت اور علیت ہوتی ہے۔ انشائیہ بھی ایک مختصر یا طویل مضمون کی شکل میں ہو سکتا ہے البتہ یہ عام مضمون سے قدرے مختلف ہے۔

انشائیہ میں تسلسل بیان نہیں ہوتا بلکہ تاثراتی و جمالیاتی رنگ ہوتا ہے، سنجیدگی کے بجائے کہیں طنز اور کہیں مزاح کا عنصر حاوی ہوتا ہے۔ انشائیے میں کیف و مستی اور ظرافت پائی جاتی ہے جس کا مطلب فرحت و انبساط پہنچانا ہوتا ہے۔ انشائیہ نگار ہنسی مذاق کے انداز میں اپنے احساسات و تاثرات کا اظہار کرتا ہے۔ حالانکہ انشائیے میں کسی حد تک افسانوی عنصر پایا جاتا ہے اس کے باوجود افسانوی اصناف میں اس کا شمار نہیں ہوتا کیونکہ اس میں اجزائے ترکیبی کا فقدان ہوتا ہے اور اظہار بیان میں تنظیم و ربط نہیں ہوتا۔ مختصر یہ کہ ایک ایسی تحریر جو منشاء مصنف اور آزاد بیانی پر مبنی ہو اسے انشائیہ کہا جاسکتا ہے۔ بقول نظیر صدیقی:

”انشائیہ نام ہے اس مضمون کا جس کی لمبائی ایک سے بیس صفحے تک کچھ بھی ہو سکتی ہے جس میں کسی بھی موضوع سے بحث کی جاسکتی ہے۔ جو اپنے مشن اور اسلوب دونوں اعتبار سے شخصی ہوتا ہے۔ جو انداز فکر یا انداز نظر یا انداز بیان کے اعتبار سے لائٹ ہوتا ہے۔ جس میں گہری سے گہری بات سرسری اور سہل انداز میں کہی جاتی ہے۔ جس میں لابیالی پن اور عدم سنجیدگی کی فضا پائی جاتی ہے۔“ (۱۲)

اردو میں خاصی تعداد میں انشائیے شائع ہو چکے ہیں۔ کچھ انتخابات کی شکل میں اور کچھ مجموعوں کی صورت میں منظر عام پر آ چکے

ہیں۔ جیسے آزادی کے بعد دہلی میں اردو انشائیہ، (ایک انتخاب)، نصیر احمد خاں۔ انشائیہ پچھسی، جاوید وششٹ۔ ملّا وجہی کے انشائیے، جاوید وششٹ۔ بڑی حویلی، مرزا محمود بیگ۔ قطع کلام، مجتبیٰ حسین۔ بقلم خود، نصرت ظہیر، وغیرہ اہم انشائیوں کے مجموعے ہیں۔

مذکورہ مطالعہ کی روشنی میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ اصنافِ نثر میں اظہار و اسلوب کے وسیع امکانات موجود ہیں۔ ادبا و نثر نگاروں نے جملہ اصنافِ نثر کے ساتھ تحقیق و تنقید، طنز و مزاح اور صحافتی نثر کو بھی اپنی ادبی فکر کی ترسیل کا ذریعہ بنایا ہے جس کے نتیجے میں اردو زبان و ادب میں وافر علمی و ادبی سرمایہ وجود میں آیا ہے۔
